© rasailojaraid.com

دوران خطبہ باتیں کرنا، گوٹھ مارنا، (یعنی دونوں ران پیٹ سے ملاکر ایک رومال یا ہاتھ پیچھے سے آگے باندھ لینا) جماعت کھڑی ہونے پر نفل شروع کرنا، یا اس میں لگے رہنا، (بلکہ ان نوافل کو توڑکر جماعت میں شریک ہوجائیں) بلا ضرورت امام، مقتدیوں سے ہٹ کر کسی بلند جگہے پر بیٹھنا، نمازی اور اس کے سترہ کے درمیان سے گزرنا، یا گزرنے دینا، دوران نماز دائیں اور آگے تھوکنا، جوتی آگے یا دائیں جانب رکھنا (یعنی اگرچہ نمازی اکیلا ہی کیوں نہ ہو) ، نماز عشاء سے پہلے سوجانا، یا اس کے بعد دیر تک بغیر شرعی مصلحت کے جاگے رہنا، میزبان (عالم) یا مقرر شدہ مخصوص امام کی اجازت کے بغیر امامت کرنا، ایسے لوگوں کی امامت کرنا جو اس سے شرعی طور پر نالاں ہوں۔ ان سب امور سے نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو سختی سے منع فرمایا ہے۔

امام ابوداؤد

امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی - رحمة الله عليه- ۲۰۲ ہجری میں سجستان میں پیدا ہوئے۔

اساتذہ: ضروری عربی قواعد سے فراغت کے بعد حصول علم کے لئے عراق، خراساں، شام، مصر اور جزیرۂ عرب وغیرہ کا سفر کیا اور ہزاروں علماء محدثین سے علم حاصل کیا۔ کتاب السنن میں آپ کے تقریبا [۳۰۰] اساتذہ کی روایتیں شامل ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل مشہور ترین ائمہ بھی شامل ہیں:

[۱] امام احمد بن محمد بن حنبلؒ، [۲] ابو الوليد الطيالسیؒ

دیگر تصانیف میں [۱] الرد على اهل القدر [۲] الناسخ و المنسوخ

[۳] مسند الامام مالك [٤] مسائل الامام احمد شامل ہیں۔

تلامذہ: امام صاحب نے اپنی سعادت بھری زندگی علم دین کے سیکھنے اور سکھانے میں گزاری۔ اس لئے آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ ان میں سے:

[۱] امام ابو عیسیٰ الترمذیؒ [۲] امام ابوعبدالرحمن النسائیؒ

[۳] ابو بکر عبدالله بن محمد ابن ابی الدنیاؒ اور آپ کا نور چشم [۴] ابو بکرؒ مشہور ہیں۔

آپ تقوی و دیانت داری اور زہد و عبادت میں اعلی درجے پر فائز تھے، آپ کی علمیت، امامت اور جلالت شان پر تمام محدثین اور اہل تاریخ کا اتفاق ہے۔

آپ ۱۴ شوال ۲۷۵ھ کو اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوانح علماء اہل حدیث

فضیلۃ الشیخ عبدالرشید ندوی رحمة الله عليه

محمود احمد مفکر

خاندانی پس منظر:

موضع بلغار جہاں اپنی مردم خیزی اور اپنی قدرتی حسن کے اعتبار سے مشہور ہے۔ وہاں علم وادب کا گہوارہ بھی ہے۔ یہاں کا خاندان ملا بلال صدیوں سے اپنی وضعداری' سیاست وتدبر اور لازوال علمی وادبی خدمات کے طفیل عوام وخواص کا مرجع ہے بلتستان کا ہر خواندہ شخص اس خانوادۂ علم وفضل کی وجاہت کا معترف ہے۔ اسکے مورث اعلیٰ کا اسم گرامی محمد اور لقب ملا بلال تھا۔ چنانچہ ملک الشعراء مولانا سلطان علی رحمۃ اللہ علیہ کی نادرونایاب تصنیف "**الكافية الوافية**" کے آخر میں درج ذیل عبارت مرقوم ہے (تم الكتاب بفضل الله الملك الوهاب واليه المرجع والماب على يد العاصي سلطان علي ولد اخوند قاسم ولد علي محمد الملقب بملا بلال)۔ اس خاندان کو تیرہویں صدی ہجری میں مولانا سلطان علی تلمیذ مولانا محمد حسین پشاوری نوراللہ مرقدہ کے ذریعے جو علم معقول ومنقول کے پختہ عالم، مصنف، ادیب اور عظیم شاعر تھے، پورے بلتستان میں شہرت وعزت نصیب ہوئی پھر ان کے بعد ان کے لائق برادر زادہ مولانا حافظ عبدالصمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تدریسی وتبلیغی سرگرمیوں کی بدولت اپنے خاندان کا بھرم قائم رکھا۔ وہ بلند پایہ محدث ومفسر اور مبلغ وداعی تھے، ان کے تبلیغی مساعی کے نتیجے میں بلغار اور اسکے مضافات میں سلفیت کی خوب ترویج واشاعت ہوئی اس نامور خاندان کے ایک فرد مولانا عبدالملک تھے جو تقویٰ شعار عالم، پرجوش مبلغ اور خداداد تنظیمی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ہمارے ممدوح حضرت مولانا عبدالرشید ندوی اسی کے چشم وچراغ تھے۔ آپ مولانا سلطان علی کے پوتے اور مولانا عبدالملک کے فرزند ارجمند تھے۔ مولانا عبدالصمد اور والئ خپلو راجہ ناصر علی خان کے معتمد خاص نمبردار عبدالرحمٰن آپ کے والد بزرگوار کے چچازاد بھائی تھے۔

وہ دن وہ محفلیں وہ شگفتہ مزاج لوگ
موج زمانہ لے گئی کیا جانے کس طرف

ذیل میں مولانا عبدالرشید ندوی کی حیات وخدمات کا ایک خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ نئی نسل کو آپ کی سرگزشت علمی معلوم کرنے میں مدد ملے۔

ولادت اور ابتدائی تعلیم و تربیت:

مولانا رحمۃ اللہ علیہ بمقام بلغار 1925ء کو پیدا ہوئے۔ اکلوتے فرزند ہونے کے ناطے والد بزرگوار اور خاندان کے سبھی افراد آپکی بہت ناز برداری کرتے تھے۔ گیارہ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ ابتدائی تعلیم والد بزرگوار اور مولانا عبدالصمد سے حاصل کی پھر بعض کرم فرماؤں کے اصرار پر بغرض اکتساب علم غواڑی تشریف لے گئے۔ جہاں مولانا محمد موسیٰ اور مفتی کریم بخش کا حلقہ درس تشنگان علم کے لئے چشمہ فیض بنا ہوا تھا۔ چنانچہ قدیم ربط وتعلق کی بنا پر ان کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔ اور کم وبیش چھ سال ان کے دامن فیض سے وابستہ رہے۔ یہاں آپ نے نحو، صرف، حدیث، تفسیر، منطق اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ جب تک آپ غواڑی میں زیر تعلیم رہے، آپ کے والد ماجد موضع یوگو کے بوا سلمان مرحوم کے ذریعے آپ کو سامان خوردونوش پہنچاتے رہے۔ کیونکہ مولانا عبدالملک کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کا جگر گوشہ خیرات کی مد سے کھانا کھائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا محمد موسیٰ اور مولانا کریم بخش کی بابرکت صحبتوں کے طفیل سلف صالحین یعنی علمائے حدیث کی محبت آپ کے دل میں جاگزیں ہوئی۔ اس طرح اسلاف کی تصنیفات سے استفادہ کرنے کا شوق پروان چڑھا جو آخری سانس تک برقرار رہا۔ اگر فنافی العلم کی اصطلاح صحیح ہے تو ہمارے مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کے پورے مصداق تھے۔

1945 میں والد بزرگوار کے انتقال کے چند ماہ بعد مزید علم دین حاصل کرنے کی خاطر آپ ہندوستان تشریف لے گئے۔ روانگی کے موقع پر آپ کے اساتذہ کرام فرط محبت سے آبدیدہ ہوگئے۔ چونکہ مولانا کے دل میں دہلی کے اساطین علم سے استفادے کا بے پناہ شوق اور جذبہ تھا، اس لئے دونوں بزرگوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ آپ کی درازی عمر اور بلندی اقبال کے لئے خصوصی دعا فرمائی۔ غواڑی کے احباب از راہ خلوص غلو کھور تک آپ کے ساتھ گئے اور دعائے خیر کے ساتھ الوداع کیا۔ الحاج محمد باقر صاحب گنتھاوی کے والد ماجد سامان اٹھا کر پرکوتہ (مہدی آباد) تک ساتھ گئے۔ اور بڑی محبت و ہمدردی کا اظہار کیا۔ جزاہ اللہ خیرا!

بہر حال طویل و کٹھن پیدل سفر طے کرتے ہوئے امرتسر پہنچے۔ کچھ عرصہ مدرسہ غزنویہ میں شیخ الحدیث مولانا نیک محمد کے خرمن کمالات سے خوشہ چینی کی۔ خوبی قسمت سے متعدد بار فاتح قادیان مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری صاحب سے ملنے اور ان کے مواعظ دلپذیر سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ پھر آپ نے دہلی کا رخ کیا۔ اور اپنی دیرینہ آرزو کے مطابق مدرسہ میاں صاحب پھاٹک حبش خان میں داخلہ لیا۔ اور کئی سال مولانا محمد یونس محدث دہلوی اور دیگر بلند پایہ اساتذہ کے دامن فیض سے وابستہ رہے۔

شیخ الکل حضرت میاں صاحب کی درسگاہ میں قیام کے دوران سہوانی خاندان کے چشم و چراغ اور اخبار اہلحدیث دہلی کے شہرہ آفاق ایڈیٹر مولانا سید تقریظ احمد صاحب سے آپ کو شرف نیاز حاصل ہوا۔ پہلی ملاقات کے دوران ہی وہ آپ کے اعلیٰ علمی و ادبی ذوق سے بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے از راہ اخلاص آپ کو روزانہ اخبار اہلحدیث کے دفتر میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ روزانہ فارغ وقت میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اردو ادب کی معیاری کتابیں پڑھتے رہے۔ جس کے نتیجے میں آپ کو اردو ادب اور اس کے قواعد و انشاء پر عبور حاصل ہوگیا۔ بعد میں لکھنو میں آٹھ سالہ قیام اور ندوہ کے اساتذہ کی علمی و ادبی صحبتوں کے طفیل عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں پر آپ کو یکساں مہارت حاصل ہوگئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ بقدر ضرورت انگریزی سے بھی واقف ہو گئے۔ مولانا سید تقریظ احمد سے تلمذ کی بنا پر سہوانی خاندان سے آپ کے بہت اچھے مراسم و روابط تھے۔ مولانا صاحب جب کراچی تشریف لائے تو یہاں مذکورہ خاندان کے بہت سے افراد ہندوستان سے ہجرت کر کے آچکے تھے جن میں سے ثروت جمال اصمعی صاحب سے ایک مرتبہ مولانا کی ملاقات ہوئی آپ نے اپنا تعارف کرایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور بڑے تپاک سے پیش آئے۔ اس موقع پر آپ دیر تک موصوف کو ان کے اسلاف مولانا محمد بشیر سہوانی، مولانا سید اقتدار احمد سہوانی صدر انجمن اہلحدیث علی گڑھ اور اپنے محبوب استاد مولانا سید تقریظ احمد سہوانی کے واقعات سناتے رہے۔ اس پر ثروت جمال نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ماشاء اللہ آپ تو ہمارے خاندان کے ہر فرد سے واقف اور اس کی تاریخ پر سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ندوۃ العلماء میں داخلہ:

مدرسہ حضرت میاں صاحب سے فیض یاب ہونے کے بعد آپ نے اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق بین الاقوامی شہرت کے حامل دینی ادارہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ اور نحو، بلاغت، فلسفہ، منطق، فقہ، تفسیر، حدیث، تاریخ، انگریزی اور سیاسیات و اقتصادیات کا درس لیا۔ جس کے نتیجے میں آپ ایک ممتاز و متبحر عالم بن گئے۔ ندوۃ العلماء میں آپ درج ذیل بلند پایہ اساتذہ کے دامن فیض سے وابستہ رہے:

۱۔ مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی
۲۔ شیخ الحدیث مولانا شاہ حلیم عطا
۳۔ شیخ التفسیر مولانا محمد اویس نگرامی ندوی
۴۔ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی (مؤلف مصباح اللغات)
۵۔ مولانا ابوالعرفان ندوی
۶۔ مولانا سید محمد رابع ندوی
۷۔ مولانا ڈاکٹر سید عبداللہ عباس ندوی

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء اور اپنے اساتذہ و شیوخ سے بڑا قلبی تعلق تھا۔ فن احدیث میں آپ کے خصوصی استاد مولانا شاہ حلیم عطا صاحب تھے۔

مولانا علی میاں آپ کے محبوب ترین استاد تھے۔ اسی لئے آپ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک ان کے بڑے معتقد اور مداح رہے۔ استاد مرحوم کی کتابیں عام کرتے اور اہل علم کو ان سے استفادہ کرنے کی دعوت دیتے رہتے۔ آپ نے اسی مقصد کی خاطر کتب خانہ رشیدیہ کے نام سے ایک مکتبہ قائم کیا تھا۔ جس میں اپنے دیرینہ دوست ندوہ ہی کے فیض یافتہ مولوی فضل ربی سے مولانا علی میاں کی کتابیں منگواتے اور فروخت کرتے رہے۔ آپ کے اصرار کے نتیجے میں جامعہ دارالعلوم غواڑی میں مولانا علی میاں کی مختارات الادب اور قصص النبیین شامل نصاب ہیں۔ مولانا علی میاں (وفات ۲۲ رمضان ۱۴۲۰ھ) کے ساتھ آپ کی آخری ملاقات جامعہ تعلیمات فیصل آباد میں ہوئی۔

ہندوستان کے مختلف مدارس میں درس و تدریس:

حضرت مولانا عبدالرشید ندوی نے 1955 میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد مدرسہ میاں صاحب میں تدریسی فرائض سرانجام دئے۔ پھر اپنے استاد مولانا ابوالعرفان ندوی کے اصرار پر مدرسہ عالیہ مئوناتھ بھنجن ضلع بستی تشریف لے گئے۔ تین سال بحیثیت معلم نحو و بلاغت تدریسی فرائض انجام دئے۔ ایک مرتبہ آپ کے استاد گرامی مولانا ابوالعرفان ندوی ندوہ کی سفارت کے سلسلے میں میوات (مئوناتھ) تشریف لائے۔ خصوصی تعلقات کی بنا پر آپ نے ان کو اپنے پاس کئی دن مہمان رکھا۔ اور ان کی خوب خدمت کر کے سعادت مندی اور حق شناسی کا ثبوت دیا۔ اس موقع پر مولانا ابوالعرفان ندوی نے آپ کے بعض شاگردوں سے امتحان بھی لیا۔ اللہ جل شانہ کا شکر ہے کہ ان عزیزوں نے ہر سوال کا اطمینان بخش جواب دیا۔ اور مولانا جیسے مسلم الثبوت استاد سے خراج تحسین وصول کیا۔

اسی اثناء میں ایک دن آپ اپنے استاد کی معیت میں کہیں جا رہے تھے، اچانک ایک معذور سے ملاقات ہوگئی جو بھیک مانگ رہا تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ وہ اکبر بادشاہ کی اولاد ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا۔ مولانا اس کو چند پیسے دے کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے استاد کی معیت میں آگے بڑھ گئے۔ مولانا ابوالعرفان نے مذکورہ آدمی کے بارے میں فرمایا کہ عزیزم'' تاریخ عالم عروج و اقبال اور زوال و انحطاط کی متعدد محیر العقول داستانوں سے لبریز ہے۔ خود ہمارے ہندوستان میں متعدد خاندانوں نے حکومت کی، مغلیہ خاندان کے اورنگ زیب عالمگیر وغیرہ اپنے عدل و انصاف اور رعایا پروری کے طفیل نیک نام رہے۔ جبکہ اکبر بادشاہ وغیرہ اپنی شر پسندی اور سیاہ کرتوت کی وجہ سے صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ بالآخر بہادر شاہ ظفر کے دور میں مغلیہ خاندان کی گویا بساط ہی الٹ گئی۔ ہمیں ان واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ مولانا ابوالعرفان نے اس موقع پر بہادر شاہ ظفر کا ایک شعر پڑھا جو حسرت و عبرت کا مرقع ہے۔

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمیں بھی نہ ملی کوئے یار میں

مدرسہ مئوناتھ کے بعد مدرسہ ریاض العلوم دہلی سے منسلک ہوئے۔ یہاں آپ نے نحو، بلاغت، حدیث و تفسیر کے معلم کی حیثیت سے فرائض سرانجام دئے۔ بہترین استاد ہونے کے ناطے طلباء اور منتظمین آپ کی کارگزاری پہ مطمئن و مسرور تھے۔ یہاں بھی آپ کے چشمہ فیض سے بے شمار تشنگان علم سیراب و فیضیاب ہوئے جن میں مولانا ابو الاشبال احمد صغیر احمد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

کراچی تشریف آوری:

1961 سے 62ء تک آپ بار بار کراچی تشریف لاتے رہے۔ جہاں بلتستانی طلباء و مزدور بڑی تعداد میں اقامت گزیں تھے۔ مگر لداخی کہلانے کی وجہ سے آپ مصیبت میں پھنس گئے۔ اور بڑی قانونی دشواریاں پیش آئیں۔ کچھ عرصے کے بعد اللہ جل شانہ کی تائید و نصرت سے یہ دشواریاں دور ہو گئیں۔ اور آپ نہایت اطمینان و سکون سے مستقل طور پر کراچی میں رہنے لگے۔ آپ کے زمانہ دہلی کے ایک جلیل القدر استاد مولانا محمد یونس محدث دہلوی کراچی آچکے تھے ان کی خواہش پر آپ مدرسہ رحمانیہ سولجر بازار کراچی سے منسلک ہو گئے۔ یہاں آپ نے عربی ادب اور حدیث کے معلم کے طور پر کام کیا۔ یہاں بلتستانی طلباء بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ آپ ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ آپ خود سادہ کھانا کھاتے اور بقیہ تنخواہ طلباء پر خرچ کرتے تھے۔ اس زمانے میں آپ کی نگرانی میں متعدد طلباء نے ادیب فاضل کے امتحانات کی تیاری کی اور فرسٹ آئے۔ جن میں مولانا عبدالقادر رحمانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ نیز مولانا صاحب نے بلتستانی طلباء کے اندر علمی و ثقافتی جوہر کو اجاگر کرنے کے لئے ''انجمن اصلاح البیان'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جس کے ناظم مولانا ثناء اللہ عبقر صاحب تھے۔ اس انجمن کے زیر اہتمام ہفتہ واری جلسے پورے تسلسل سے ہوتے رہے۔ جن میں طلباء کے علمی و ادبی ذوق کی نشوونما میں بڑی مدد ملی۔ مولانا عبدالقادر رحمانی نے پچھلے سال راقم کے سامنے اپنے محبوب استاد کی شفقت کا ذکر کرتے ہوئے ان تاثرات کا اظہار کیا ''حضرت مولانا ندوی صاحب سے دارالحدیث رحمانیہ میں داخلے کے وقت پہلی بار شرف نیاز حاصل ہوا۔ کسی طالب علم نے ان سے میرا تعارف کرایا تو بہت خوش ہوئے اور دیر تک مجھے اپنی گرانقدر نصیحتوں سے مستفید کرتے رہے۔ اسی زمانے میں ایک بار میں نے تعلیم سے کنارہ کشی کا فیصلہ کیا، جب مولانا کو اس بارے میں معلوم ہوا تو وہ میرے پاس تشریف لائے اور یکسوئی سے تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ مولانا نے میری ہمت افزائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہوئے عمیق لہجے میں فرمایا کہ "برخوردار! تمہارے والد بزرگوار نے یونہی تمہارا نام عبدالقادر نہیں رکھا بلکہ تم کو مولانا عبدالقادر ریگوی کی طرح ممتاز عالم بنانے کے آرزو مند ہیں۔ لہٰذا یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل کرو۔

جامعہ تعلیمات میں ورود مسعود:

دارالحدیث میں طویل قیام کے بعد مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت وفرمائش پر فیصل آباد تشریف لے گئے اور جامعہ تعلیمات الاسلامیہ میں چار پانچ سال تک تدریسی فرائض سرانجام دئے۔ وہاں آپ ادب عربی اور حدیث پڑھاتے تھے۔ آپ قابل ترین استاد ہونے کے ساتھ ساتھ طلباء کے نگران بھی تھے۔ اہل مدرسہ آپ کی شرافت و دیانت، فرض شناسی۔ وسعت مطالعہ اور تدریسی قابلیت ولیاقت پر مطمئن تھے خود ناظم جامعہ کو آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ انہوں نے اساتذہ کو بھی حکم دیا کہ وہ مولانا سے استفادہ کریں۔ ناظم جامعہ کے دونوں بیٹے ڈاکٹر خالد اشرف اور ڈاکٹر زاہد اشرف آپ کے شاگردوں میں شامل تھے۔ ان کے علاوہ اس زمانے میں آپ سے پروفیسر عطاء الرحمٰن ثاقب نے استفادہ کیا۔

فیصل آباد سے تعطیلات کے دوران ہر سال وطن تشریف لاتے رہے۔ 1975ء میں آپ کی شادی ہوگئی اور آپ اپنی اہلیہ کو بھی فیصل آباد لے گئے اس طرح بڑی مسرت وشادمانی کے عالم میں زندگی بسر کرنے لگے۔

1976ء میں راقم کی ولادت ہوئی تو فیصل آباد سے قطعہ تاریخ ولادت اردو میں لکھ کر ارسال کیا اور نام محمود احمد رکھا۔

جامعہ دارالعلوم بلتستان غواڑی میں تشریف آوری:

1979ء میں آپ بلتستان تشریف لائے تو دارالعلوم کے ناظم اور آپ کے شاگرد مولانا عبدالرحمٰن خلیق رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم غواڑی میں آپ سے تدریسی خدمات لینے کی رغبت ظاہر کی ساتھ ہی سید ابوالحسن علی ندوی کی سفارش پر رابطہ عالم اسلامی نے آپ کو دارالعلوم غواڑی میں داعی مقرر کیا۔ چنانچہ آپ نے مدرسہ دارالعلوم غواڑی میں تدریس شروع کی اور اس کا سلسلہ حیات مستعار کی آخری گھڑی تک جاری رہا۔ 1979 سے 1983 تک ادب، نحو اور تفسیر کے مدرس اور نائب شیخ الحدیث رہے۔ پھر مفتی عبدالقادر کی وفات کے بعد شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ مولانا ندوی جملہ اصناف علوم کے ماہر تھے حدیث، فقہ، تفسیر، منطق، فلسفہ، شعروادب ہر فن کی کتابیں بڑی خوش اسلوبی سے پڑھاتے تھے۔

آپ نے شیخ الحدیث کا منصب سنبھالنے کے بعد اپنے استاد سید ابوالحسن علی ندوی کو ایک مفصل خط لکھا جس میں انہیں آگاہ کیا تھا کہ حضرت آپ کی دعاؤں کی بدولت حدیث پاک کی سب سے بڑی کتاب "بخاری شریف اور دیگر علوم وفنون کی معیاری کتابوں کا درس دیتا ہوں"۔ سید موصوف نے اپنے جوابی خط میں اس پر بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ذیل کے تاثرات کا اظہار کیا۔ "عزیزی مجھے اس اطلاع سے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ علوم عقلیہ کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری کا بھی درس دیتے ہیں۔ میری نصیحت ہے کہ آپ اس فریضے کو اپنی سعادت سمجھتے ہوئے انجام دیں۔" یہ سب کو معلوم ہے کہ مولانا نے اپنے استاد کی نصیحت پر عمل کر کے دکھایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طلباء کے ساتھ پدرانہ سلوک:

یہاں پر مولانا علی میاں کی موقر تصنیف "پرانے چراغ" کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے لائق استاد حیدر حسن خان کے سوانحی خاکے میں انکی ایک نمایاں خصوصیت طلباء کے ساتھ شفقت و مساوات کی ادا کا تذکرہ کیا ہے جو ہمارے بزرگ مولانا عبدالرشید ندوی کے بھی حسب حال ہے۔ وہ رقم طراز ہیں" مولانا کی سب سے نمایاں صفت ان کی سادگی، طلباء کے ساتھ شفقت اور مساوات کی ادا تھی، جس کی مثال کم سے کم میں نے علماء و مدرسین میں اپنی آنکھ سے نہیں دیکھی۔ وہ اپنی اولاد اور طلبہ میں نہ صرف یہ کہ فرق نہیں کرتے تھے بلکہ مبالغہ نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ ہونہار اور ذہین طلباء کو اپنی اولاد پر ترجیح دیتے تھے۔ اور میں نے ان کے صاحبزادوں کو اس بات کی شہادت دیتے اور تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے کہ وہ قطعاً کوئی امتیاز نہیں برتتے تھے۔"

حضرت مولانا ندوی بھی طلباء کے ساتھ شفقت کرنے میں اپنے دور کے علماء و مدرسین میں ممتاز تھے بلکہ یوں کہئے کہ علماء سلف کا نمونہ تھے۔ آپ محنتی اور وفا شعار طلباء کو اپنے برادرزادوں پر ترجیح دیتے تھے۔ اسی لئے آپ کے شاگردوں کو آپ سے گہری محبت ہے۔ راقم کو پانچ سال آپکی خدمت بابرکت میں رہنے کا موقع ملا تو عملی طور پر معلوم ہوا کہ آپ میں طلباء کے اندر علمی ذوق پیدا کرنے کا خصوصی ملکہ ہے۔ چنانچہ شوقین طلباء تدریسی اوقات کے علاوہ بھی آپ سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔

مستفیدین، اور غواڑی سے عقیدت:

مولانا صاحب کثیر الافادہ استاد تھے مدرسہ ریاض العلوم دہلی، دارالعلوم رحمانیہ کراچی مدرسہ عالیہ مئوناتھ جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد اور جامعہ دارالعلوم بلتستان غواڑی میں یکے بعد دیگرے آپ نے تدریسی فرائض سرانجام دئے۔ چنانچہ ان مقامات پر آپ کے شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع ہے جن کی فہرست بہت طویل ہے خصوصاً بلتستان کے جملہ علماء و مشائخ کو بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ سے مستفید ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بیرون بلتستان سے مولانا ابوالاشبال صغیر احمد شاغف، مولانا پروفیسر عبداللہ ناصر رحمانی، اور پروفیسر عطاء الرحمٰن ثاقب آپ کے مایہ ناز تلامذہ ہیں۔

اہالیان موضع غواڑی مولانا محمد موسیٰ اور مولانا کریم بخش سے آپ کی خصوصی تعلق کی بنا پر آپ سے خصوصی عقیدت رکھتے تھے۔ میری دانست کے مطابق اہل بلغار بہت سنگدل نکلے جبکہ اہالیان غواڑی بڑے خوش نصیب تھے انہوں نے ہمیشہ مولانا صاحب کو اپنا مقتدا بنائے رکھا۔ اسی بنا پر آپ نے بھی غواڑی کو اپنا اصلی مسکن سمجھا، حتیٰ کہ اپنی آخری آرامگاہ بھی یہیں مہیا کرنے کی وصیت فرمائی۔

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق سے ملاقات:

1985 میں آپ کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی واپسی پر کچھ دن راولپنڈی میں قیام کیا۔ اس زمانے میں مولانا عبدالرحمٰن خلیق ناظم دارالعلوم غواڑی بھی وہاں گئے ہوئے تھے۔ حسب پروگرام خلیق صاحب کی معیت میں آپ نے جنرل صاحب سے ایوان صدر اسلام آباد میں ملاقات کی۔ اس موقع پر جنرل صاحب بڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تپاک سے پیش آئے اور خوش اخلاقی سے گفتگو میں مشغول رہے۔ ان کو یہ جان کے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے شاگرد ہیں وہ آپ سے سید موصوف کی دل آویز شخصیت اور انکی موقر تصنیفات کی تاثیر کا ذکر کرتے رہے۔ واپسی پر صدر صاحب فرمانے لگے ''مولانا صاحب! پاکستان کی سلامتی کے لئے دعا کیجئے'' اور گیٹ تک آپ کو چھوڑنے آئے۔

برصغیر کے متعدد اہل علم سے بھی آپ کے روابط و مراسم تھے چند مخصوص احباب کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی
۲۔ مولانا مختار احمد ندوی ناظم آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس
۳۔ مولانا عبدالرحمن کشمیری
۴۔ ممتاز صحافی مولانا محمد اسحاق بھٹی
۵۔ حاجی محمد سعید دہلوی
۶۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری
۷۔ حکیم عبدالرحیم اشرف
۸۔ مولانا حافظ صلاح الدین یوسف

آپ دوستی کے حدود و آداب سے واقف تھے اس کے علاوہ آپ کی طبیعت میں فطری اور خاندانی طور پر وفا کا عنصر موجود تھا اس لئے اپنے دوستوں کے ساتھ محبت و الفت کا رشتہ ہمیشہ قائم رکھتے تھے۔

دہلی کے رہنے والے آپ کے دیرینہ محسن حاجی سعید صاحب نے دہلی کراچی اور فیصل آباد ہر جگہ مولانا کو یاد رکھا۔ 1995 میں مولانا کی آنکھوں کے آپریشن کے موقع پر راولپنڈی میں آپ کے ساتھ پوری رفاقت، محبت و نیازمندی کا ثبوت دیا۔ اس کے علاوہ اس دفعہ طویل علالت کے موقع پر بھی تعلق قائم رکھا۔ لاہور سے آپ کے دیرینہ دوست مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے پوتے خلاد اور ہناد بھی ملنے آئے۔

مولانا کو برصغیر کے ممتاز علماء و سیاسی قائدین مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید مودودی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی سے متعدد بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ چنانچہ ان سب کے ساتھ آپ کے دیرینہ مراسم تھے۔ دہلی میں قیام کے دوران مشہور ادیب شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے مکان پر کئی بار تشریف لے گئے جس کا متعدد بار ذکر کیا۔

حلیہ و لباس اور عادات و اطوار:

آپ کی رنگت سرخ و سفید قد درمیانہ، چہرہ گلاب کی طرح شاداب، پیشانی سے بلند طالعی نمایاں، آنکھوں پر عینک لگائے، داڑھی سنت رسول کے مطابق پوری، صاف ستھرے مگر سادہ لباس میں ملبوس، سر مبارک پر ہلکا سا عمامہ، آواز باوقار اور مترنم جمال ظاہری اور باطنی سے مالا مال، خوش خصال، طلباء اور اہل علم کے قدردان، علم منقول و معقول کے شناور، مطالعہ کتب کے خوگر، پختہ عالم دین تھے۔

آخری علالت اور وفات:

عمر کے آخر میں آپ نہایت کمزور ہوئے اور مسلسل بیمار رہنے لگے۔ مورخہ 9 جون 2000 کو مجاہدین لشکر طیبہ کا بلغار میں اجتماع ہو رہا تھا۔ راقم دوسرے نوجوانوں کے ساتھ اجتماع کے انتظامات میں مصروف تھا۔ اچانک اس روح فرسا خبر سے میرے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا کہ تایا بزرگوار ڈسٹرکٹ ہسپتال سکردو میں داخل ہیں۔

© rasailojaraid.com